امام ابوالحسن کبیر سندہی

شیخ الحدیث مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ
(والد ماجد پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالشہید نعمانی)

مسلمانوں نے اپنے نبی پاک جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی مبارک تعلیم کو جس طرح بعینہ اپنی اصلی شکل میں محفوظ رکھا، دنیا کی تمام دوسری قومیں اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہیں، ترجمان وحی ﷺ کی زبان مبارک سے جو الفاظ ادا ہوئے امت کے مختلف طبقوں نے ان کی حفاظت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا، قراء ومحدثین نے ان کو اپنے سینوں میں جگہ دی، ارباب تجوید نے مخارج حروف کو، صرفیوں نے صیغوں کی ساخت کو، نحویوں نے ترکیب کلام کو منضبط کیا، اہل معانی نے اعجاز کلام کو سمجھنے کے لئے فن معانی وبیان کی تدوین کی، لغویوں نے مفردات کی تشریح کی، متکلمین نے مابعد الطبیعیاتی حقائق کی توضیح کی، اصولیوں نے استنباط کے گر بتائے، فقہانے ضوابط حیات کو متعین کیا، صوفیہ نے قلبی کیفیات کو محفوظ رکھا اور تنویر باطن پر متوجہ ہو گئے۔

حاملان دین کے یہ طبقے عہد رسالت سے لے کر آج تک اس طرح مسلسل چلے آتے ہیں کہ ان میں کبھی ایک لمحہ کیلئے بھی انقطاع واقع نہیں ہوا، ان مبارک بزرگوں کے حالات میں جنہوں نے حفاظت دین کی یہ عظیم الشان خدمت انجام دی ہے آپ کو تاریخ اسلام میں سینکڑوں ہزاروں کتابیں ملیں گی۔

اس وقت ہمارے پیش نظران ہی خادمان دین میں سے اپنے ملک کی ایک ایسی عظیم شخصیت کا تعارف کرانا ہے جس کو اپنی جلالت علمی کی بنا پر ان مختلف طبقات میں خاص حیثیت حاصل ہے، یہ شیخ الحرم امام ابوالحسن کبیر سندہی ہیں جونحو، معانی منطق، اصول حدیث، تفسیر، فقہ حدیث، ان تمام علوم میں ایک بلند پایہ محقق سمجھے جاتے ہیں۔

سندھ کی سرزمین پر ۹۲ ھجری میں مسلمانوں نے اپنا قدم جمایا اور جب تک اس صوبہ کا تعلق مسلمانوں کی مرکزی حکومت سے رہا یکے بعد دیگر متعدد اہل علم یہاں کی خاک سے اٹھے اور علمی دنیا میں خاص شہرت کے مالک ہوئے جن میں (۱) قاضی منصورہ ابوالعباس احمد بن محمد تمیمی منصوری فقیہ داودی (۲) حافظ حدیث خلف بن سالم سندہی التوفی ۲۳۱ء (۳) فقیہ ابوعصر فتح بن عبداللہ (۴) محدث ابوجعفر محمد بن ابراہیم دیبلی التوفی ۳۲۲ (۵) مغازی وسیر ابومعشر دجیح بن عبدالرحمٰن سندی التوفی ۱۷۰ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، تاہم اس دور میں سندھ کو کبھی بھی یہ حیثیت حاصل نہیں ہوئی کہ جس طرح دیگر بلاد اسلامیہ کی طرف تشنگان علم نبوی سماع حدیث کے لئے سفر کیا کرتے تھے، سندھ کی طرف بھی کرتے، یہی وجہ ہے کہ محدثین نے جس طرح ان شہروں کی تاریخ پر کہ جن کو اس عہد میں کتاب وسنت کی مرکزی درسگاہ ہونے کی حیثیت حاصل تھی، اور جہاں دور ودراز سے طلباء تحصیل حدیث کی غرض سے آیا کرتے تھے اور رواۃ وسند میں اور دیگر مشاہیر اہل علم کی نمایاں تعداد وہاں موجود ہوتی تھی مستقل کتابیں لکھی ہیں، سندھ یا ہند کی تاریخ پر کوئی کتاب نہیں لکھی پھر کہ جب سندھ کا تعلق دارالخلافہ سے کٹ گیا تو یہاں ہر شعبہ میں علمی انحطاط شروع ہوگیا اور علمی ترقی اس مقام سے آگے نہ بڑھ سکی کہ جتنی محکمہ قضا کو باقی رکھنے کے لئے اس وقت ضروری تھی اس لئے سندھ کو اس زمانہ میں وہ درجہ نصیب نہ ہوسکا جو دیگر ممالک عجم فارس وخراسان وماوراء النہر وغیرہ کو نصیب ہوا حتی کہ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذھبی نے جب اپنا مشہور رسالہ الامصار ذوات الاثار (۱) قلمبند کیا جو ان شہروں کے حالات میں ہے کہ جو ایک زمانہ تک علم حدیث کی نشر واشاعت کے مرکز رہ چکے ہیں تو برصغیر ھند وسندھ کے متعلق ان کو یہ رائے

ظاہر کرنا پڑی۔

(فالاقاليم التی لاحديث بها يروی ولاعرفت بذلك الصين اغلق الباب والهند والسند) اور وہ ممالک کہ جہاں حدیث کی روایت نہیں کی جاتی اور نہ اس علم میں ان کی شہرت ہے چین ہے کہ جس نے دروازہ ہی بند کر رکھا ہے اور ھند اور سندھ ہیں۔

حافظ ذھبی نے ۷۴۸ھ میں وفات پائی ہے اس بنا پر یوں سمجھنا چاہئے کی آٹھویں صدی کے وسط تک علم حدیث کے سلسلہ میں ھندوستان کی کچھ شہرت نہ تھی، باقی یہ ایک الگ بات ہے کہ اس دور میں بھی ایک آدھ محدث اس برصغیر ھندو پاک کے طویل وعریض علاقہ میں کہیں نہ کہیں موجود ہو چنانچہ امام حسن بن محمد صنعانی لاہوری المتوفی ۶۵۰ھ اور شیخ الاسلام عماد الدین مسعود بن شیبہ سندھی مصنف کتاب التعلیم وطبقات الحنفیہ تو اس پایہ کے محدث گزرے ہیں کہ ان کی تالیفات سے خود عربی دنیا نے فائدہ اٹھایا ہے، بلکہ حافظ عبدالقادر القرشی ۷۷۵ھ نے الجواھر المضیہ فی طبقات الحنفیہ میں امام صنعانی کے تذکرہ میں جو یہ لکھا ہے کہ سمع بمکہ وعدن والھند (انہوں نے مکہ معظمہ، عدن، اور ہندوستان میں حدیث کی سماعت کی ہے) اس سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ خود ہندوستان میں یہی چھٹی ساتویں صدی میں درس حدیث کا سلسلہ موجود تھا، تاہم چونکہ اس ملک میں علم حدیث کی عام اشاعت نہ تھی اس لئے حافظ ذھبی نے اس کا شمار ان ممالک میں نہیں کیا کہ جو حدیث وروایت کا مرکز سمجھے جاتے تھے، محدث سخاوی نے بھی الاعلان بالتوبیخ میں حافظ ذھبی کے مذکورہ بالا بیان کو نقل کر کے اس پر کسی قسم کا اضافہ نہیں کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے زمانہ تک ہندوستان کی اس فن میں وہی حالت تھی جو ذھبی نے بیان کی ہے، سخاوی کی وفات ۹۰۲ھ میں ہوئی اس لحاظ سے ہم کو یوں سمجھنا چاہئے کہ نویں صدی کے اخیر تک یہاں علم حدیث کا رواج نہ تھا۔

اسناد وروایت میں سندھ وھند کے ترقی نہ کرنے کے کچھ قدرتی اسباب بھی ہیں، سندھ ایک مدت سے دار الخلافہ سے کٹا ہوا تھا پھر باطنیہ کی تحریک یہاں زوروں پر تھی جس نے آگے چل کر ملک پر

مکمل اقتدار جما لیا اور طویل عرصہ تک باطنیہ نے یہاں حکومت کی، ادھر ھندوستان میں مسلمانوں کو جب اطمئنان سے سانس لینے کا موقع ملا، اور فارغ البالی کے ساتھ حکمرانی کرنے کا وقت آیا جو علوم وفنون کی نشو ونما کے لئے بہترین وقت ہوتا ہے تو عالم اسلام پر زوال آچکا تھا، تاتاری وحشیوں نے خوارزم سے لےکر بغداد تک تمام بلاد اسلامیہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی اور مسلمانوں کا وہ قتل عام کیا تھا تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی اور اس خونیں انقلاب میں سب سے زیادہ نقصان حنفیوں کو اٹھانا پڑا، ان کے تمام علمی مراکز تباہ ہوگئے کتب خانہ رہ گئے اور علماء تہ تیغ کردیے گئے اس لئے دینی علوم کی وہ سیادت جو اس سے پہلے عراق وفارس اور خراسان وماوراءالنھر میں علماء احناف کو حاصل تھی تمام تر علماء دماشقہ ومصاریہ کو منتقل ہوگئی، حنفیوں نے زوال بغداد پر علمی حیثیت سے اتنا بڑا نقصان اٹھایا یہ اس کی تلافی صدیوں کے بغیر ناممکن تھی، چنانچہ یہی ہوا تین سو سال تک علوم اسلامیہ میں صرف مصر وشام سج گیا بلحاظ کثرت تعداد اور کیا بلحاظ جلالت مرتبت جس قدر اور جس شان کے علماء پیدا ہوئے سارے عالم سے نہ ہو سکے۔

لیکن اللہ تعالی کی رحمت کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں دسویں صدی ھجری سے آہستہ آہستہ یہ علمی سیادت ھند وسندھ کی طرف منتقل ہونا شروع ہوگیا اور ان قرون متاخرہ میں جیسے اکابر علماء یہاں کی سرزمین سے اٹھے سارا عالم اسلام ان کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے، علم حدیث ہی کو لے لیجئے اس سلسلہ میں ھند وسندھ کے بارے میں ابھی حافظ ذھبی کی تصریح آپ کے گوش گزار کی جاچکی ہے، اب ذھبی وقت محدث علامہ محمد زاہد کوثری علیہ الرحمۃ کا وہ اعتراف بھی ملاحظہ ہو جو انہوں نے اس عظیم الاقلیم کی خدمت حدیث وسنت پر کیا ہے فرماتے ہیں:

وكان حظ اقليم الهند من هذا الميراث منذ منتصف القرن العاشر هو النشاط في علوم الحديث فاقبل عليها علماء الهند عليها اقبالا كليا بعد ان كانوا منصرفين الى الفقه المجرد والعلوم النظرية ولواستعرضنا ما لعلماء الهند

من الهمة العظيمة فى علوم الحديث من ذاك الحين مدة ركود سائر الاقليم لوقع ذلك موقع الاعجاب الكلى والشكر العميق وكم لعلمائهم من شروح ممتعه وتعليقات نافعة على الوصول كل الستة وغيرها وكم لهم من مؤلفات واسعة فى احاديث الاحكام، وكم لهم من اياد بيضاء فى نقدالرجال وعلل الحديث وشرح الآثار وتاليف مؤلفات فى شتى الموضوعات، والله سبحانه هوالمسؤول ان يديم نشاطهم فى خدمة مذاهب اهل الحق، ويوفقهم لامثال ما وفقوا له الى الان وان يبعث هذا النشاط فى سائر الاقاليم من جديد (مقالات کوثری صفحہ ۷۳، طبع قاہرہ ۱۳۷۲)۔

اور اقلیم ہند کے حصہ میں اس میراث نبوی میں سے دسویں صدی ھجری کے وسط سے علوم حدیث کی سرگرمی آئی ہے چنانچہ (اس عہد سے) ھندوستان کے علماء خالص فقہ اور علوم نظریہ میں مشغول رہنے کے بعد علوم حدیث پر بالکلیہ متوجہ ہوئے اور اگر ہم علوم حدیث کے متعلق علماء ہند کی اس عظیم توجہ کا اس وقت سے جائزہ لیں کہ جب سے تمام ممالک اسلامیہ میں اس علم کی ترقی کا سلسلہ رک گیا تو یہ پوری تحسین اور گہرے تشکر کا سبب بنے گا چنانچہ اندازہ کیجئے کہ وہاں کے علماء نے صحاح ستہ وغیرہ پر کتنی مفید شرحیں اور کتنے مفید حواشی لکھے ہیں اور احادیث احکام پر ان کی کتنی وسیع تالیفات موجود اور تنقید رجال، علل حدیث اور شرح احادیث میں ان کے کس قدر شاندار کارنامے ہیں نیز حدیث کے متعلق مختلف موضوعوں پر انہوں نے کس قدر تالیفات چھوڑی ہیں دعا ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ مذاہب حقہ کی خدمت کے سلسلہ میں ان کی سرگرمی کو مدام جاری رکھے اور اب تک جو کچھ ان کو کرنے کی توفیق ملی ہے اس سے کئی گنے کرنے کی مزید توفیق ارزانی فرمائے اور اس سرگرمی کو دوسرے ممالک میں بھی نئے سرے سے پیدا فرمائے (آمین)۔

اور پھر احادیث احکام کی مشہور ترین کتابوں کا ذکر کر کے فرماتے ہیں:

ثم یاتی دور اخواننا الھنود من اھل السنة فماثرھم فی السنة فی القرون الاخیرہ فوق کل تقدیر وشروحھم فی الاصول الستة تزخر بالتوسع فی احادیث الاحکام۔ (صفحہ۴۷)۔

پھر ہمارے اہل سنت ھندی بھائیوں کا دور آیا جن کے شاندار کارنامے پچھلی صدیوں میں علم سنت کے متعلق ہر اندازہ سے بڑھ کر ہیں اور صحاح ستہ پر ان کی شرحیں (احادیث احکام کی وسیع معلومات سے بھرپور ہیں)۔

اور مصر کے مشہور صحافی سید رشید رضا نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ:

ولولا عنایة اخواننا علماء الھند بعلوم الحدیث فی ھذا العصر لقضی علیھا بالزوال من امصار الشرق فقد ضعفت فی مصر والشام والعراق والحجاز منذ القرن العاشر للھجرة حتی بلغت منتھی الضعف فی اوائل ھذا القرن الرابع عشر (مقدمہ مفتاح کنوزالسنة ص ۶ طبع مصر)۔

اور اگر ہمارے بھائی ہندوستانی علماء کی توجہ اس زمانہ میں علوم حدیث کی طرف مبذول نہ ہوتی تو ان کے زوال کا بلاد مشرق میں فیصلہ ہو چکا تھا کیونکہ یہ علوم مصر، شام، عراق اور حجاز میں دسویں صدی ھجری سے ضعیف ہو چکے ہیں حتیٰ کہ اس چودہویں صدی کے اوائل میں تو انتہائی ہے کو پہنچ چکے ہیں۔

علماء سندھ میں ابوالحسن نامی چار بزرگ زیادہ نامی وگرامی گزرے ہیں:

۱۔ میاں **ابوالحسن صاحب** منظومہ جن کے بارے میں علی شیر قانع کے تحفۃ الکرام میں یہ الفاظ ہیں میاں ابوالحسن کامل وقت صاحب علم وعمل بودہ منظومہ سندھی درعقائد اسلام وفرائض ایمان کہ ورد خاص وعام است ازو یادگار، بزرگیش راعالمے قائل (۲۲۷۔ ج ۳)۔

ان کے باپ کا نام عبدالعزیز اور ان کا سنہ وفات ۱۱۳۳ بتایا ہے۔

۲۔ **میاں غلام حسن المعروف بہ ابوالحسن** المتوفی ۱۱۸۷ھ جو اپنے استاذ الاستاذ ابوالحسن کبیر سے امتیاز کی بنا پر ابوالحسن صغیر کہلاتے ہیں، قانع نے تحفۃ الکرام میں ان کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے۔

میاں غلام حسن المعروف بمخدوم ابوالحسن بحرمین شریفین زادھما اللہ شرفا وتعظیما رفتہ نمود وافی کرد، بعد فوت مخدوم محمد حیات سندی کہ مدرسہ آرائے مدینہ منورہ بود در آن سرزمین اعلم علماء واقدم فضلاء زیستہ جانشین سرآمد محدثان باکمال وسرکردہ مدرسان صاحب تال وحال می باشند (صفحہ ۲۳۶۔ج ۳)۔

۳۔ **حاجی ابوالحسن** سندی نقشبندی قرشی داھری مصنف کتاب ینابیع الحیاۃ الابدیہ لطلاب الطریق النقشبندیہ، ان کا سلسلہ طریقت صرف دو واسطوں سے حضرت خواجہ معصوم بن مجدد الف ثانی علیھما الرحمۃ تک پہنچتا ہے، واھری نے ینابیع کی تصنیف سے جیسا کہ خاتمہ کتاب میں مصرح ہے ۱۱۵۶ میں فراغت پائی ہے ان کی تاریخ وفات ۱۲ ربیع الاول ۱۱۸۱۔

۴۔ **یہی ہمارے ابوالحسن کبیر** جو علو مرتبت وجلالت قدر کے اعتبار سے ان سب پر فائق تھے اور ہمارے اس مقالہ کا مقصد موصوف کا اجمالی تعارف ہے۔

نام ونسب:

ان کا نام محمد کنیت ابوالحسن اور لقب نور الدین ہے، سلسلہ نسب یہ ہے محمد بن عبد الھادی السندی التتوی ثم المدنی الحنفی۔

ٹھٹہ میں پیدا ہوئے وہیں نشو ونما پائی اور تعلیم حاصل کی تا آنکہ اپنے وطن ہی میں ایک محقق عالم کی حیثیت سے شمار ہونے لگے اور طلبہ کا مرجع بن گئے، ان کے شاگرد رشید شیخ محمد حیات کا بیان ہے کان مولده فی السند فی بلدة یقال لها تتة نشا بها عالما محققا مرجعا للطلبه (۲)۔

علامہ مرادی کی سلک الدرف کا جونسخہ مصر میں طبع ہوکر شائع ہوا ہے اس میں ابوالحسن کے ترجمہ میں اس مقام پر عبارت میں کچھ گڑ بڑ معلوم ہوتی ہے۔ مطبوعہ نسخہ کی عبارت حسب ذیل ہے۔

ولد بتته قرية من بلاد السند ونشا بها ثم ارتحل الى تستر واخذ بها عن جملة من الشيوخ۔

یعنی یہ ٹھٹہ میں پیدا ہوئے جو دیار سندھ کا ایک گاؤں ہے وہیں نشو ونما پائی پھر تستر کا سفر کیا اور وہاں کے شیوخ کی ایک جماعت سے تحصیل علم کی۔

ہمارے خیال میں یہ عبارت کئی وجوہ سے محل نظر ہے، تستر کی طرف سفر کا کوئی تذکرہ نگار ذکر نہیں کرتا، ویسے بھی تستر کی طرف سے کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی، اس زمانہ میں اس کی کوئی علمی شہرت نہ تھی کہ وہاں سفر کر کے جایا جاتا ہے، ہمارے خیال میں مصنف (کمپوزیٹر) یا کاتب کی عنایت سے یہاں فتہ کا تستر ہوگیا ہے اور ولد بتتہ میں اس گاؤں کی نشاندہی ہے جو ٹھٹہ کے حوالے میں شیخ کا مولد تھا اور شاید ستر کی طرح اس کو بھی تتہ سے تجنیس خطی کا شرف حاصل ہوگا ورنہ ظاہر ہے کہ تتہ کی حیثیت اس عہد کی تاریخ میں قریہ کی نہیں بلکہ بلدۃ عظیمہ کی تھی، صاحب نزہۃ الخواطر کا ماخذ علامۃ ابوالحسن کے تذکرہ میں یہی سلک الدرر ہے، وہ تتہ کو قریہ بتلانے پر تو چونکے ہیں اور اس لئے انہوں نے عبارت میں تصرف کر کے ولد بتتہ قریۃ من بلاد السند کی بجائے ولد ببلدۃ تتہ من اقلیم السند لکھا ہے، لیکن اس طرف ان کا ذہن منتقل نہ ہوا کہ سفر تستر کی کیا ضرورت تھی اس لئے اس کو برقرار رکھا۔

اساتذہ وشیوخ

علامہ موصوف نے سوائے علم حدیث کے جملہ علوم وفنون کی تحصیل اپنے وطن ہی میں کی تھی سلسلہ روایت کی بنا پر ان شیوخ کے نام تو محفوظ ہیں جن سے حرمین شریفین میں سماع حدیث کیا تھا لیکن مقامی علماء جن کی بدولت شیخ کی علمی استعداد علوم متداولہ میں کمال کو پہنچی اور وہ علامہ وقت کہلائے ان

میں سے کسی ایک کا بھی نام معلوم نہیں، مرادی کی مذکورہ بالا عبارت میں اگر تستر کے بجائے تتہ پڑھا جائے تو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے واخـذ بها عن جماعة من الشيوخ یعنی انہوں نے وہاں کے اساتذہ کی ایک جماعت سے علم کی تحصیل کی تھی، ملا عابد سندی بھی یہی لکھتے ہیں کہ:

اخذ عن جماعة من العلماء الاعلام فی بلده والحرمين وغيرها (۳)

انہوں نے علماء اعلام کی ایک جماعت سے اپنے وطن میں اور حرمین وغیرہ میں علم حاصل کیا

ان علماء اعلام میں جو مشاہیر حرم تھے وہ یہ ہیں:

ا۔ برهان الدين ابراهيم بن حسن الكردي الكوراني المتوفى ۱۱۰۲ شاہ ولی اللہ صاحب نے انسان العین فی مشائخ الحرمین میں ان کا تذکرہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔

شیخ ابراهیم کردی قدس سرہ عالم بود وعارف ما درفنون علم از فقہ شافعی وحدیث وعربیت واصلین ید طولی داشت، ودر ہر یکے تصانیف دارد ۔۔۔ زبان فارسی وکردی وترکی وعربی همه بی دانست وبتوقد ذہن وتبحر علم وزہد وتواضع وصبر وحلم متصف بود ۔۔۔ عبداللہ عیاشی گفت کہ کان مجلسه روضة من رياض الجنة چوں تقریر مسائل حکمت کردے البتہ حقائق صوفیہ در ضمن آن ذکر کردے وترجیح کلام صوفیہ پر تحقیق آنھا بیان فرمودے وگفتے:

هؤلاء الفلاسفه قاربوا عثورا على الحق ولم يهتدوا اليه۔ (۴)

تاریخ وفات وے یکے از خطباز مانہ ازین لفظ برآورد انـا عـلى فـراقك يـا ابراهيم لمحزونون (صفحہ ۸۰۷ مطبوعہ مطبع احمدی دہلی)۔

۲۔ محمد بن عبدالرسول برزنجی، یہ ملا کورانی مذکور صدر کے شاگرد خاص تھے، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ان کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ سید محمد برزنجی کہ یکے از اجلہ تلامذہ شیخ بود (صفحہ ۷)۔

۳۔ عبداللہ بن سالم بصری، شاہ ولی اللہ صاحب نے انسان العین میں ان کا بھی ترجمہ لکھا ہے فرماتے ہیں:

شیخ عبداللہ بن سالم البصری ثم المکی احیاء بسیارے از کتب حدیث کرد، از انجملہ مسند امام احمد ۔۔۔۔واز کتب سند نیز اصول صحاح ساخت ۔۔۔۔وبر بخاری شرحے دارد مسمی بضاء الساری کہ آن سبب ضعف پیری اتمام آن تنوانست کرد، وھمہ عمر بروایت کتب حدیث سردا وبحثا گزرانید، بالجملہ بتحقیقت حافظ درین زمانہ متاخر وے بود وسبب بقائے این سلسلہ وے شد از ابتدا صبا رغبت علم علماء وصلاح وورع پیشہ مرضیہ وے بود وہیچ وقت خالی نبودے از درس یا تلاوت یا نماز یا سخن ضروری ۔۔۔۔عمرے طویل یافت وآن ہمہ در مرضیات الٰہی گزاشت وتا آخر عمر بوفور عقل وحفظ وصحت حواس متصف الا سامعہ کہ فی الجملہ فتور یافتہ بود۔۔۔۔اہل مکہ اکثر ایشان بروے سماع کردند رابع رجب ۱۱۳۴ اربع وثلاثین بعد الالف برفت از دنیا۔ (صفحہ ۱۲ و ۱۳)۔

یوں علامہ سندھی نے اس طبقہ کے بعض اور اکابر سے بھی علم حدیث کی تحصیل کی ہے لیکن مشہور یہی تین ہیں شیخ عبدالحی کتانی فارسی فہرس الفہارس والاثبات، ومعجم المعاجم والمشیخات میں شیخ ابو محسن کبیر کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

یروی عن الشمس بن عبد الرسول البرزنجی والبرھان الکورانی، وعبداللہ البصری وتلك الطبقه (صفحہ ۱۰۳۔ ج۱)۔

ان تمام شیوخ واساتذہ میں سب سے زیادہ جس کا اثر علامہ سندھی کے ذہن وفکر پر ہوا وہ شیخ ابراھیم کورانی ہیں، یادرہے کورانی کی اس درسگاہ سے سندھ وھند کے دو مشہور امام متاثر ہوکر نکلے ہیں، ایک امام ابوالحسن کبیر سندی، دوسرے امام ولی اللہ دھلوی، ابوالحسن نے باپ سے تحصیل حدیث کی ہے، اور شاہ ولی اللہ صاحب نے ان کے بیٹے ابوطاھر بن ابراھیم کردی سے یہی درسگاہ ہے جہاں ان دونوں اماموں کی ماتریدیت میں اشعریت کا، اور حنفیت میں شافعیت کا، اور تصوف میں فلسفہ کا، اور تنزیہ میں تشبیہ کا، اور توحید شہودی میں توحید وجودی کا پیوند لگایا گیا ہے، ان حضرات کی تصانیف میں ہمارے اہل علم کو جو بعض مقامات پر فقہاء حنفیہ اور متکلمین سے شدید اختلاف نظر آتا ہے وہ اسی کا اثر ہے، اس تاثر کی

بڑی وجہ یہ تھی کہ یہ دونوں بزرگ اگر چہ سندھ وھند میں علوم معقول ومنقول کی پوری تحصیل کر کے گئے تھے لیکن ان کی معلومات میں دو بڑے خلا تھے، ایک یہ کہ مشکاۃ سے آگئے علم حدیث میں رسائی نہ تھی دوسرے قدماء حنفیہ کی تصانیف پر سرے سے نظر نہ تھی اس لئے ان دونوں بزرگوں نے جو اپنے عہد کے مشہور امام سندھی وھندی کا متاثر ہونا ضروری تھا۔

سفر حرمین، مجاورت حرم نبوی ﷺ اور درس حدیث

علامہ سندھی نے جب تحصیل حدیث کی غرض سے حرمین شریفین کا سفر کیا تو پھر وہیں کے ہورہے اور مراجعت وطن کا خیال ہی دل سے نکال ڈالا، شروع شروع میں تو دس سال تک عزلت گزینی کی وجہ سے ان کی شہرت نہ ہوسکی لیکن بعد کو حرم نبوی میں مجلس درس آراستہ کی تو آسمان علم پر خورشید درخشاں بن کر چمکے، ملاحیات کے الفاظ ہیں:

ثم سافر الی الحرمین علی نیة القراءة ، فمکث فیها نحوا من عشر سنین لم یشتهر لکثرة عزلته ثم جلس للتدریس فی الحرم النبوی (درج الدرر)

مدینہ طیبہ میں علامہ موصوف جن کتابوں کا درس دیا کرتے تھے ارباب تذکرہ نے ان میں حسب ذیل کتابوں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔

تفسیر میں تفسیر قاضی بیضاوی۔

حدیث میں صحاح ستہ، موطا امام مالک، مسند امام احمد بن حنبل۔

فقہ میں ہدایہ

حسن اخلاق وورع وتقوی

علم کے ساتھ اللہ تعالی نے عمل کی دولت سے بھی نوازا تھا۔ مزاج میں انکساری عمل میں

نکوکاری اور کتاب وسنت کی اتباع کا جذبہ موصوف کے خصوصی اوصاف تھے، چنانچہ تذکرہ نگاروں نے فضل وذکاء کے ساتھ ساتھ ان کی نکوکاری صلاح وتقوی اورزہد وورع کو بھی خاص طور پر بیان کیا ہے، مرادی لکھتے ہیں:

اشتهر بالفضل والذكاء والصلاح ورعا وكان عالما عاملا ورعا زاهدا.

ملامحمد حیات کا بیان ہے:

وكان زاهدا متورعا كثير الاتباع لكتا ب الله تعالى وسنة رسوله ﷺ ومتواضعا صنعا.

تلامذہ:

علامہ سندھی کے تلامذہ کی تعداد شمار سے باہر ہے ملاعابد سندھی لکھتے ہیں:

واخذ عنه جماعة لا يحصون ان سے اتنی بڑی جماعت نے علم اخذ کیا کہ جو شمار نہیں کی جاسکتی، لیکن ان تمام تلامذہ میں ان کی جانشینی کا فخر جس خوش قسمت کے حصہ میں آیا وہ محدث محمد حیات سندھی ہیں، آزاد بلگرامی نے سبحة المرجان اور ماثر الكرام میں اورنواب صدیق حسن خان نے اتحاف النبلاء المتقين میں ان کا مبسوط تذکرہ کیا ہے۔قارئ کی زبانی یہ آپ پہلے سن چکے ہیں کہ ملاحیات کے بعد ان کی مسند درس کو جس بزرگ نے سنبھالا وہ ملاموصوف کے شاگرد رشید شیخ ابوالحسن صغیر محدث سندی ثم المدنی ہیں، اس طرح حرم نبوی میں درس حدیث کا جس سلسلہ ہمارے علامہ ابوالحسن کبیر نے جاری کیا تھا وہ ان کے شاگرد تک برابر قائم رہا اور ایک عالم اس سے فیضیاب ہوا۔

علماء کاان کی خدمت میں خراج تحسین

علامہ مرادی کے سلک الدرر (ج۔۴ صفحہ۶۶) میں ان کے بارے میں یہ الفاظ ہیں:

محمد السندی ، ابن عبد الهادی السندی الاصل والمولد الحنفی نزیل المدینة المنورة الشیخ الامام العامل العلامة المحقق المدقق التحریر الفهامة ابوالحسن نور الدین .....درس بالحرم الشریف النبوی ....وکان شیخا جلیلا ماهرا محققا بالحدیث والتفسیر والاصول ، والمعانی ، والعربیه وغیرھا

نزھۃ الخواطر میں ان کا ترجمہ تمام تر سلک الدرر ہی سے منقول ہے (ملاحظہ ہو ج۔٦ صفحہ ٥۔٦)۔

جبرتی لکھتے ہیں:

العلامه ذو الفنون ابو الحسن بن عبد الهادی الاثری شارح المسند والکتب السته وشارح الهدایه (عجائب الاثار ج۔ا صفحہ ١٧٦، ١٧٧ برحاشیہ تاریخ کامل ابن اثیر طبع مصر) اور شیخ محسن تیمی الیانع الجنی میں رقمطراز ہیں۔

وابوالحسن الکبیر ---کان عالما جلیلا فقیها اصولیا محدثا من اصحاب الوجوه فی المذاهب (ص ٣٣ طبع دیوبند برحاشیہ کشف الاستار عن رجال المعانی الاثار)(٥)۔

علامہ محمد عابد سندی فرماتے ہیں:

کان عالما ضابطا متقنا حوی جمیع العلوم وخاض فی منطوقها والموهوم واختص بعلم الحدیث وبلغ فیه الغایة (درح الدرر)۔

شیخ محمد حیات کے الفاظ ہیں:

کان شیخا جلیلا ماهرا محققا فی النحووالمعانی والمنطق والاصول والتفسیر والحدیث وله تحقیق فی الفقه (درح الدرر)۔

صاحب فہرس الفہارس شیخ عبدالحی کتانی نے ان کا تذکرہ ان لفظوں میں شروع کیا ہے:

هـو مـحـدث المدينة المنورة واخذ من خدم السنة من المتاخرين خدمه يستهال بها (صفحہ۱۰۳۔ج۱)۔

منزلت علمی:

ان علماء اسلام کی تصریحات بالا سے معلوم ہوا کہ علامہ سندی کو تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، نحو، عربیت، معانی، منطق تمام علوم میں تبحر کا درجہ حاصل تھا اور وہ ان سب فنون میں محققانہ امتیاز رکھتے تھے خاص طور پر فقہ وحدیث میں ان کا درجہ بہت اونچا تھا، علامہ سندھی کی متعدد تصانیف اب چھپ کر منظر عام پر آ گئی ہیں جن سے ان کی جلالت علمی کا آج بھی اہل علم کو اندازہ ہوسکتا ہے۔

صحاح ستہ پر حافظ سیوطی نے بھی تعلیقات لکھی ہیں اور علامہ سندھی نے بھی سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ پر ان دونوں حضرات کے حواشی طبع ہو چکے ہیں (٦)، دونوں کا موازنہ کرلیا جائے اس میں شک نہیں کہ سیوطی کے یہاں ان غرر نقول موجود ہیں اور علامہ سندھی نے خود ان کی شروح سے کافی فائدہ اٹھایا ہے لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جہاں نقل سے نہیں بلکہ عقل سے کام پڑتا ہے اور فہم مراد اور توضیح مطلب کی باری آتی ہے وہاں کس کا پلہ بھاری ہے یہ مختصر مقالہ بیان امثلہ کا محتمل نہیں ہوسکتا اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ سیوطی اگر وسعت نظر میں بڑھے ہوئے تو علامہ دقت نظر میں فائق ہیں جہاں وہ دوسرے شارحین توجیہ حدیث سے عاجز ہوتے ہیں وہاں علامہ بہترین توجیہ پیش کر دیتے ہیں، سیوطی کو سات علوم میں اجتہاد کا دعویٰ تھا منجملہ ان کے نحو وعربیت بھی ہیں لیکن نسائی کے دونوں حاشئے اس بات کے شاہد ہیں کہ متعدد مقامات پر علامہ سیوطی نے تحلیل صرفی یا ترکیب نحوی یا وجوہ معانی کے لحاظ سے کسی ایک خاص توجیہ کی صحت سے انکار کیا، اور ہمارے علامہ نے اسی خاص توجیہ کو صرف یا نحو یا علم معانی کی روشنی میں مدلل ومبرہن کر دیا، سنن نسائی کے تراجم ابواب پر جس طرح علامہ سندھی نے کلام کیا ہے کسی نے نہیں کیا، اسی طرح سنن ابن ماجہ کے زوائد پر حافظ بوصیری کی تحقیات کو نقل کر کے سیوطی کے مقابلہ میں

انہوں نے اپنی شرح کواسمان پر پہنچادیا ہے۔

علم حدیث پر علامہ سندھی نے خاص توجہ کی ہے اور اس فن میں انہوں نے بڑی شاندار خدمات انجام دی ہیں برصغیر پاک وہند میں یہی ایک بزرگ ہیں جن کوصحاح ستہ کی تمام کتابوں پر شرح لکھنے کا فخر حاصل ہے، ان کی جلالت قدر کا اعتراف عرب وعجم کے علماء کو ہے، شیخ اسماعیل بن محمد سعید نے جب اپنے مشہور شاگرد دمتی کو علم حدیث کی سند دی تو علامہ سندی کے متعلق یہاں تک لکھ دیا ہے کہ:

كان احد الحفاظ المحققين والجهابذه المدققين (۷) اور علامہ ممدوح کے محقق ومدقق اور جھبذ ہونے میں تو ہمیں کلام نہیں البتہ ان کو حافظ حدیث کہنا مبالغہ سے خالی نہیں، حافظ کی جو تعریف کتب اصول حدیث میں بیان کی گئی ہے وہ ان پر صادق نہیں آتی کیونکہ ان پر روایت سے زیادہ درایت کا غلبہ ہے، ہمارے نزدیک علم حدیث میں ان کا وہی درجہ ہے جو علامہ طیبی شارح مشکوۃ کا ، حافظ سیوطی نے علامہ طیبی کے متعلق یہ رائے ظاہر کی ہے:

وله المام بالحديث لكنه لم ديبلغ فيه درجة الحفاظ ، ومنتهى نظره الكتب الستة ومسند احمد والدارمى لايخرج من غيرها (۸)۔

ان کو علم حدیث پر توجہ رہی ہے لیکن یہ اس فن میں حفاظ حدیث کے درجہ پر نہ پہنچ سکے، ان کا منتہائے نظر صحاح ستہ مسند احمد اور دارمی ہیں، ان کے علاوہ اور کتابوں سے یہ تخریج حدیث نہیں کرتے۔

علامہ طیبی کی طرح علامہ سندی کا منتہا ونظر بھی صحاح ستہ اور مسند احمد پر جا کر ختم ہوجاتا ہے اس لئے حافظ حدیث کے بجائے ان کو محدث فقیہ کہنا زیبا ہے کتب مذکورہ کے متون احادیث پر ان کی بڑی گہری نظر ہے وہ شرح حدیث کے امام ہیں اور خوب سے خوب توجیہ اور عمدہ سے عمدہ نکتے بیان کرتے ہیں۔

فقہ میں بھی علامہ کے شاگرد ملا حیات نے ان کے بارے میں تصریح کی ہے کہ وله تحقيق فى الفقه جوایک حقیقت کا بیان ہے کہ بعض مسائل فقہ میں ان کی تحقیق حنفی مذہب سے الگ ہے، مگر صاحب اليانع الجنى نے تو ان سے بھی آگے بڑھکر یہاں تک دعوی کردیا ہے کہ من

اصحاب الوجوه فی المذاهب معلوم نہیں صاحب الیانع الجنی اصحاب الوجوه کی اصطلاح سے واقف ہی تھے یا نہیں، اصحاب الوجوه کا درجہ مجتهد فی المذاهب کے اوپر ہے اور اوپر مجتهد مطلق منتسب کے بعد ہے۔

یہ وہ درجہ ہے جو طحاوی، کرخی، حارثی اور جرجانی کا تھا، علامہ سندی کو ان آئمہ سے وہی نسبت ہے جو ستارہ کو آفتاب سے، یہ تحقیق و وجوہ جن جنس میں اتنی اہمیت دی جا رہی ہے وہی ہیں جن کی داغ بیل ملا کورانی کی درسگاہ میں پڑی تھی یہاں علماء شوافع کی تو بہترین کتابیں، مطالعہ کے لئے موجود تھیں مگر احناف کی ترجمانی کے لئے فتح القدیر سے زیادہ کچھ نہ تھا، ظاہر ہے کہ امام شافعی کی کتاب الام، اور بغوی کی شرح السنة کا مقابلہ جب کہ صحاح ستہ کی تبویب بھی سامنے ہو تنہا فتح القدیر سے نہیں کیا جا سکتا اس لئے اثناء درس میں جن تحقیقات نے دل میں گھر کر لیا تھا وہ آخر تک اپنا رنگ دکھاتی رہیں، تاہم علامہ سندھی اپنے کو حنفی ہے کہتے اور سمجھتے ہیں، علامہ سندھی اور شاہ ولی اللہ یہ دونوں بزرگ حنفی المذهب کے مسائل کو صحاح ستہ اور مسند احمد کی روایات پر پیش کیا کرتے ہیں اگر موافقت ہو تو فبھا ورنہ درصورت اختلاف ان روایات کو ترجیح دیتے ہیں جن پر ارباب صحاح نے تبویب کی ہے، اس تحقیق میں ایک تو کمی یہ ہے کہ بعض اوقات ایک روایت ان کی کتابوں میں موجود ہوتی ہے مگر وہ اس لئے نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے کہ اپنے مظان پر مذکور نہیں ہوتی ہیں جیسے رویت ہلال کا یہ مسئلہ کہ جب مطلع صاف ہو تو اتنے جم غفیر کی شہادت درکار رہے کہ جس پر اطمئنان کیا جا سکے یہ مسئلہ جس حدیث سے لیا گیا ہے وہ مسئلہ کتاب الصوم میں ملے گی نہ عیدین میں بلکہ کتاب الصلوۃ باب سجود السہو میں ملے گی جس میں یہ مذکور ہے کہ ایک بار آنحضرت ﷺ نے ظہر کی نماز میں دو رکعت پر سلام پھیر دیا اور اٹھ کر جانے لگے اس پر ذوالیدین نامی ایک صحابی نے عرض کیا، یا رسول اللہ کیا نماز کم ہوگئی یا آپ بھول گئے؟ آنحضرت ﷺ نے ان کی بات کا یقین نہ کرتے ہوئے دوسرے صحابہ سے دریافت کیا ظاہر ہے کہ جس واقعہ سے سب کو سابقہ پڑا ہو وہاں تنہا ایک شخص کا بیان کس طرح کافی ہو سکتا تھا۔ اور جب دیگر

صحابہ نے بھی اس امر کی شہادت دی تو آپ نے بقیہ نماز ادا کر کے سجدۃ السہو ادا فرمایا، اس روایت سے فقہاء حنفیہ نے یہ مسئلہ نکالا کہ جس مسئلہ میں ابتلاء عام ہو وہاں خبر آحاد قابل قبول نہیں، بلکہ اتنی وقیع شہادت درکار ہے جو قابل اطمئنان ہو، اسی بنا پر مسئلہ رویت ہلال میں فقیہ ایوب بلخی نے تصریح کی ہے ہمارے زمانہ میں پانچ سو بھی بلخ میں کم ہیں ظاہر ہے کہ جہاں لاکھوں نظریں آسمان پر جمی ہوں وہاں معدودے چند افراد کی شہادت کیسے قبول کی جاسکتی ہے، تاہم بعض فقہا کی نظر اس روایت پر نہ گئی اور انہوں نے اس موقع پر بھی دو آدمیوں کی شہادت کو کافی سمجھ لیا۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ حدیث کا ذخیرہ ہی کتابوں میں محدود نہیں بعض وقت یا تو سرے سے ایک مسئلہ کی روایت ان میں موجود ہی نہیں ہوتی، یا ہوتی بھی ہے تو وہ قابل ترجیح سند سے نہیں ہوتی ایسی صورت میں جس کی نظر میں جو روایت ہوگی وہ اسی کو ترجیح دیگا، مخدوم محدث محمد ہاشم سندھی اور علامہ ابو الحسن سندھی کی تحقیقات میں بنیادی فرق یہی ہے کہ مخدوم صاحب جب کسی مسئلہ کی تحقیق کرنے بیٹھتے ہیں تو اپنی تحقیات کا دائرہ مسند احمد اور صحاح ستہ تک محدود نہیں رکھتے بلکہ جیسا کہ ان کے نامور صاحبزادے مخدوم مولانا عبداللطیف سندھی نے ذب ذبابات الدراسات (صفحہ ۱۵۔ ج ۱) میں تصریح کی ہے کہ حدیث کی سو ڈیڑھ سو کتابوں کا ایک ساتھ جائزہ لے ڈالتے ہیں، اور جب تک پوری طرح اطمینان نہیں کر لیتے اپنی رائے ظاہر نہیں کرتے، خدا تعالی نے ان کو حدیث وفقہ کی پیش بہا کتابوں کا ذخیرہ بھی ایسا عنایت کیا تھا کہ باید وشاید (۹) یہی وجہ ہے کہ اس دیار میں مخدوم صاحب کے مقابلہ میں اور کسی عالم کا چراغ روشن نہ ہوسکا۔

تاہم اجتھادی مسائل میں طرفین سے مجال سخن تنگ نہیں، غلط فہمی نہ ہو مسائل فروعیہ کی الگ بات ہے جہاں تک شرح حدیث اور توجیہ معانی کا تعلق ہے نہ علامہ ابوالحسن سندھی کی نظیر علماء سندھ میں ہے نہ شاہ ولی اللہ کی مثال علماء ھند میں دقیقہ سنجی اور نکتہ آفرینی ان دونوں بزرگوں پر ختم ہے۔

تصانیف:

(۱۔۶)حواشی علی الصحاح الستہ یہ حدیث کی مشہور چھ کتابوں پر ان کے الگ الگ چھ حاشیے ہیں، البتہ جامع ترمذی پر ان کا حاشیہ مکمل نہ ہوسکا، سنن ابن ماجہ کا حاشیہ سب سے زیادہ مبسوط ہے، باقی حواشی مختصر ہیں، ان حواشی میں مصنف کا مطمع نظر زیادہ تر کتاب کا حل اور مشکل مقامات کی توضیح ہے، ضبط لفظ ایضاح غریب، تفصیل اعراب سے زیادہ اعتنا کیا ہے، جو کچھ لکھتے ہیں کام کی بات لکھتے ہیں، صحیح بخاری اور سنن ابن ماجہ کے حواشی مصر میں مکرر طبع ہو چکے ہیں، سنن نسائی کا حاشیہ ہندوستان اور مصر دونوں جگہ سے شائع ہو چکا ہے، صحیح مسلم کا حاشیہ جو نہایت مختصر ہے ملتان سے شائع ہوا ہے، سنن ابی داود کا حاشیہ جس کا نام فتح الودود ہے اگر چہ علیحدہ طبع نہیں ہوا لیکن سنن ابی داود کے تمام شروع وحواشی میں موقع بموقع منقول ہے اس کا قلمی نسخہ بھی کتب خانہ پیر جھنڈو میں موجود ہے۔

۷۔حاشیه علی مسندالامام احمد اس کا ربع اول صاحب فهرس الفهارس کے پاس موجود ہے، جس کا تعارف انہوں نے ان لفظوں میں کرایا ہے، لا یستغنی عنها مطالعه او قار ئه (کہ جس کو مسند کا مطالعہ کرنا یا پڑھنا وہ اس سے مستغنی نہیں ہوسکتا، صاحب سلك الدرر لکھتے ہیں وله حاشية نفيسة على مسندالامام احمد ،علامہ محمد حیات فرماتے ہیں وكتب عليه حاشية جليلة لم يسبق اليها۔

۸۔حاشیه علی تفسیر البیضاوی ملا حیات اس کے بارے میں لکھتے ہیں وكتب عليها حاشية لطيفة۔

۹۔حاشیه علی فتح القدیر شرح الهدایه یہ کتاب النکاح تک تو فتح القدیر کا حاشیہ ہے، اور پھر اس کے متن ہدایہ کا، ملا حیات اس کو حاشیہ ذات تحقیق بتاتے ہیں، اس حاشیہ کا نام البدر المنير ہے اور اسکا قلمی نسخہ مدینہ منورہ کے کتب خانہ محمودیہ، اور پیشاور کے اسلامیہ کالج کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

۱۰۔حاشیہ کتاب الاذکار امام نووی۔

۱۱۔حاشیہ علی الزھراوین ملا علی قاری۔

۱۲۔ تفسیر لطیف۔

۱۳۔حاشیہ علی الجلالین۔

۱۴۔حاشیہ علی شرح جمع الجوامع لابن القاسم اس کا نام الایات البینات ہے۔

۱۵۔الفیوضات النبویہ فی حل المغازی البرکویہ اس کا نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں موجود ہے۔

۱۶۔حاشیہ علی شرح النخبہ اس کا ذکر صاحب فھرس الفھارس نے کیا ہے۔

ان کی تمام تصنیفات بغایۃ نافع ومفید تھیں حق تعالی نے قبول عام بھی ان کے متعلق شایان شان نصیب فرمایا۔ مرادی لکھتے ہیں الف مولفات نافعة .....التی سارت بھا الرکبان اور صاحب الیانع الجنی کی تصریح ھے له مولفات نافعة جدا۔

وفات:

سنہ وفات میں عجیب اختلاف ہے ملا عابد سندی نے ۱۱۴۱ لکھا ہے (درح الدرر) ملا حیات ۱۱۳۹ بتاتے ہیں (درح الدرر) مرادی نے ۱۱۳۸ بیان کیا ہے اور جبرتی نے ۱۱۳۶ فھرس الفھارس اور الیانع الجنی میں ۱۱۳۹ میں مرقوم ہے، جنازہ میں بڑا ہجوم تھا، عورتیں تک شریک ہوئیں۔ بازار میں دوکانیں بند رہیں عمال حکومت ان کا جنازہ کاندھوں پر لئے ہوئے پہلے حرم نبوی میں حاضر ہوئے اور وہیں نماز جنازہ ادا کی گئی پھر بقیع میں تدفین عمل میں آئی لیکن لوگوں کو ان کی وفات کا سخت صدمہ تھا۔ ایک خلقت ان کے غم میں رو رہی تھی۔ غفر اللہ لہ ورحمہ رحمۃ واسعۃ۔

حواشی

ا۔ یہ حافظ ذھبی کا ایک مختصر سا رسالہ ہے جس میں انہوں نے ان شہروں کا حال لکھا ہے جو ایک زمانہ میں حدیث وروایت کا مرکز رہ چکے ہیں، یہ رسالہ اب نہیں ملتا، محدث سخاوی نے الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ (ص ۱۳۶ طبع دمشق ۱۳۴۹) میں اس کو یہ تمام وکمال نقل کر دیا ہے، اور جا بجا ان شہروں کے متعلق اپنی معلومات کا بھی اضافہ کیا ہے جو ذھبی کی عبارت کے بعد قلت کہہ کر شروع ہوتا ہے۔

۲۔ درح الدرر فی نقض وجوہ وضع الایدی تحت السرر از ابوتراب رشد اللہ۔

۳۔ ملاحظہ ہو درح الدرر واضح رہے کہ درح الدرر میں علامہ ابوالحسن کا جتنا تذکرہ ہے وہ یہ تمام وکمال صحیح مسلم کا جو حاشیہ علامہ موصوف کا ملتان میں شائع ہوا ہے اس کے آخر میں صفحہ ۹۰ پر مولوی عبد التواب ملتانی نے نقل کر دیا ہے۔

۴۔ یہ فلاسفہ حق سے بہرہ ور ہونے کے قریب تھے مگر راہ نہ پا سکے۔

۵۔ سلک الدرر عجائب الاثار اور الیانع الجنی سے علامہ ممدوح کا تذکرہ راقم الحروف نے اپنی عربی تالیف ماتمس الیہ الحاجۃ لمن یطالع سنن ابن ماجہ میں نقل کر دیا ہے۔

۶۔ سنن نسائی پر تو ان دونوں حضرات کے حاشیے ہندوستان ومصر میں کتاب کے ساتھ ہی طبع ہوئے ہیں مگر سنن ابن ماجہ پر علامہ سندھی کا حاشیہ تو متن کے ساتھ مصر میں طبع ہو گیا ہے لیکن حافظ سیوطی کا حاشیہ کتاب کے ساتھ طبع نہیں ہوا بلکہ اس کا اختصار جو شیخ دمتی نے کیا ہے وہ مصر میں بغیر متن کتاب کے الگ شائع ہوا ہے، یہ اختصار کہنے کو اختصار ہے ورنہ اصل کتاب کی پوری نقل ہے۔ صرف کتاب حدیث کے حوالوں میں نام ذکر کرنے کے بجائے ان کے رموز دیدئے ہیں۔

۷۔ فہرس الفہارس ج ا ص ۱۰۳۔

۸۔ شرح المواھب اللدنیہ از علامہ زرقانی ج ۵ صفحہ ۷ طبع مصر۔

۹۔ ان کے قیمتی کتب خانہ کی یادکاریں آج بھی آپ کو سندھ وھند کے کتب خانوں میں بکھری ہوئی ملیں گی۔